۳۴

مؤمن کو امرِ الٰہی کے حصول کیلئے ہر وقت اور ہر قربانی کیلئے تیار رہنا چاہیئے

(فرمودہ ۱۸؍ستمبر ۱۹۳۶ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

گو پچھلے جمعہ کا خطبہ پڑھنے کی وجہ سے میری طبیعت زیادہ خراب ہوگئی لیکن آج بھی میں نے یہی فیصلہ کیا کہ خطبہ خود ہی پڑھوں خواہ وہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو۔

میں نے پچھلے خطبہ میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ الٰہی جماعتیں قربانی کے ساتھ ترقی کیا کرتی ہیں اور تعداد اپنی ذات میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی ہمیں توجہ دلائی گئی ہے کہ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ [1] یعنی بہت سی چھوٹی جماعتیں ہوتی ہیں جو بڑی جماعتوں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب آجاتی ہیں۔ پس معلوم ہؤا کہ تعداد اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں بلکہ اصل چیز امر اللہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کا امر حاصل ہو جائے وہ جیت جاتی ہے اور جس کے خلاف اللہ تعالیٰ کا امر نازل ہو جائے وہ ہار جاتی ہے۔ پس ہمیں اتنی کوشش اپنی فتح اور کامیابی کی غرض سے جماعت کو بڑھانے کی نہیں کرنی چاہیئے جتنی کوشش کہ فتح اور کامیابی کے واسطے امرِ الٰہی کے حاصل کرنے کیلئے کرنی چاہیئے۔ میں نے اس فقرہ میں ایک شرط لگائی ہے جو معمولی نہیں بلکہ نہایت ضروری ہے۔ میں نے کہا ہے کہ فتح وکامیابی کی غرض سے ہمیں

اپنی تعداد بڑھانے کی اتنی کوشش نہیں کرنی چاہئے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہمیں اپنی تعداد بڑھانے کی کوشش ہی نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ ہے کہ تعداد بڑھاتے وقت ہماری غرض یہ نہیں ہونی چاہئے کہ ہمیں فتح و کامیابی حاصل ہو بلکہ جماعت بڑھانے کی غرض یہ ہونی چاہئے کہ اس طرح صداقت پھیلتی ہے اور خدا تعالیٰ کا نام قائم ہوتا ہے۔ دنیا میں لوگ جتھے اس لئے بناتے ہیں کہ مضبوط ہو جائیں اور اپنی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں کہ تا غالب آجائیں مگر اسلام تبلیغ کا حکم ہمیں اس لئے نہیں دیتا کہ ہم زیادہ ہو جائیں کیونکہ وہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمارا توکّل خدا پر ہو کسی بندہ پر نہ ہو۔ پس مؤمن اور غیر مؤمن دونوں تبلیغ کرتے ہیں مگر جبکہ غیر مؤمن اپنی تعداد بڑھانے کیلئے تبلیغ کرتا ہے مؤمن صرف اپنے گمراہ بھائی کو ہدایت دینے کیلئے تبلیغ کرتا ہے اور اس لئے تبلیغ نہیں کرتا کہ کوئی شخص اس کے ساتھ شامل ہو کر اس کی طاقت بڑھائے پس وہ رحم کرتا ہے۔ اسلامی و غیر اسلامی تبلیغ میں یہی فرق ہے۔ اسلام کی تبلیغ جذبۂ رحم کے ماتحت دوسرے کو تباہی سے بچانے کیلئے ہوتی ہے اور اپنی طاقت کو بڑھانے کیلئے مؤمن کی نگاہ بندوں پر نہیں بلکہ خدا پر ہوتی ہے لیکن جب ایک غیر مسلم یا غیر مؤمن (ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مُسلم ہو مگر مؤمن نہ ہو) تبلیغ کرتا ہے تو وہ اپنی جان پر رحم کرتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے میں کمزور ہوں دوسرے کو اپنے ساتھ شامل کر کے اس کے ذریعہ اپنی جان بچاؤں مگر اس کے برعکس مؤمن اور مُسلم دوسرے پر رحم کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر فضل کر کے مجھے نجات دی ہے اس لئے مجھے چاہئے کہ دوسرے کو بھی گڑھے سے بچاؤں۔ مؤمن کی تبلیغ جتھہ بندی کیلئے نہیں بلکہ ہدایت کیلئے ہوتی ہے۔

پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ فتح و کامیابی کیلئے تعداد بڑھانے کی کوشش نہ کرو تو میرا یہ مطلب نہیں کہ تعداد بڑھانے کی کوشش ہی نہ کرو بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس غرض کو مدنظر رکھ کر نہ کرو۔ تعداد بڑھانے کی کوشش ضرور کرو مگر اس غرض سے کہ خدا تعالیٰ کا نام روشن ہو، بھُولے بھٹکے بندے راہِ راست پر آجائیں۔ غلبہ اور فتح و کامیابی کی بنیاد اس امر پر ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا امر حاصل ہو اور جب اللہ تعالیٰ کا امر حاصل ہو جائے تو بڑے لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ پُرانے زمانہ میں تلواروں کا رواج تھا اور لوگ اچھی اچھی تلواریں جمع کرتے تھے اور جن کے پاس زیادہ اچھی تلواریں ہوتی تھیں لوگ ان سے ڈرتے تھے۔ پھر تیر نکلے تو جن کے پاس اچھے تیر کمانیں ہوں وہ جیت جاتے

تھے۔ پھر ڈھالیں نکلیں تو جن کے پاس صرف تیرکمان تھے وہ کمزور ہوگئے۔ جب سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اسے زیادہ تر اِسی وجہ سے فتح حاصل ہوگئی کہ اس کے پاس اعلیٰ قِسم کی ڈھالیں تھیں۔ وہ صرف چند ہزار آدمیوں کے ساتھ آیا تھا اس کی فوج کی تعداد بعض حملوں میں چار سے بارہ ہزار تک بیان کی جاتی ہے مگر اُس نے اِسی سے ایران اور ہندوستان کی بڑی بڑی تعداد رکھنے والی فوجوں کا مقابلہ کیا اور اُن کو شکست دی۔ ڈھالوں کے بعد منجنیقیں نکلیں اور ان کے ذریعہ دور دور پتھر پھینکے جانے لگے۔ اس کے بعد بارود نکلا، پھر رائفلیں اور توپیں ایجاد ہوئیں اور اب گیس پھینکنے والے بم اور ہوائی جہاز ایجاد ہوئے ہیں اور ایک ایک ہوائی جہاز سینکڑوں گاؤں تباہ کر سکتا ہے۔ ایسے ایسے زہریلے بم ایجاد ہوئے ہیں کہ ایک بم سے بارہ میل کے رقبہ کو تباہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بم ہوائی جہازوں سے پھینکے جاتے ہیں اور نیچے کے لوگ ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ تو اب دنیا میں تعداد کوئی چیز نہیں بلکہ طاقت کے دوسرے ذرائع ہیں۔ پھر کیا ایک مؤمن کیلئے یہ شرم کی بات نہیں کہ دوسرے لوگ جو غیر مؤمن ہیں وہ تو تعداد کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے بلکہ طاقت کیلئے تعداد کے مقابلہ میں ہوائی جہازوں، بموں اور توپوں پر انحصار رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خواہ دشمن کتنی زیادہ تعداد میں کیوں نہ ہو ہم اسے زیر کریں گے اور ایک مؤمن سمجھے کہ خدا تعالیٰ کی طاقت ہوائی جہاز جتنی بھی نہیں، توپ اور بم جتنی بھی نہیں۔ ایک اکیلا انسان ایک جہاز سے بم پھینک کر بارہ میل علاقہ کا جس کی آبادی اوسط آبادی کے لحاظ سے تین ہزار بنتی ہے مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے لیکن ایک مؤمن کا اتنا ایمان بھی نہ ہو کہ اس کے خدا کی ہوائی جہاز کے برابر بھی طاقت ہے۔

پس جو سچے مؤمن ہیں وہ جیتنے کیلئے تعداد کا کبھی خیال بھی نہیں کرتے وہ اگر غلطی کر رہے ہیں تو یہ کہ تھوڑی تعداد کے ساتھ بہتوں پر حملہ کر دیا۔ ایسی مثالیں اسلامی تاریخ میں کثرت سے ملتی ہیں کہ پچاس ساٹھ یا سَو آدمیوں نے ساری فوج پر حملہ کر دیا مگر ایسی کوئی مثال نہیں کہ دشمن کی زیادہ فوج پر مسلمانوں نے حملہ مزید کمک کے آنے پر ملتوی کر دیا۔ پچاس اور ساٹھ مسلمانوں نے پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ ہزار کفار پر حملہ کر دیا اور مارے گئے مگر ڈر کر پیچھے نہیں ہٹے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور قرآن شریف میں بھی ہمیں یہی بتاتا ہے کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ بہت ہی تھوڑی جماعتیں تم سے پہلے گزری ہیں جو اللہ تعالیٰ کے

امر کے حاصل ہونے کی وجہ سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں۔ پس ہمیں اس لئے اپنی تعداد بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ہم جیت جائیں گے بلکہ ہم اس بات کے خواہشمند ہیں کہ لوگ تباہی اور بربادی سے بچ جائیں۔ فتح حاصل کرنے کیلئے ہمیں صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل کریں جو سچی قربانی سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دائم رہنے والی اور اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ [۲] ہستی ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور وہ اُسی کو اپنے قریب لاتا ہے جو اِس بات پر یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ زندہ کرنے والا ہے۔ زید کے متعلق اگر یہ یقین کامل ہو کہ وہ اچھا تیراک ہے اور یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی کو ڈوبنے دے تو اس کے موجود ہوتے ہوئے کوئی شخص خطرناک سمندر میں کُود پڑنے سے بھی نہیں ڈرے گا۔ اسی طرح جس کو خدا تعالیٰ پر یہ یقین ہو کہ وہ اَلْحَیُّ ہے اور زندہ کرنے والا ہے وہ ہر موت قبول کرنے کیلئے تیار ہوگا۔ پس جب تک کوئی اللہ تعالیٰ کی صفت اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ پر یقین نہیں رکھتا جس کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر موت کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں رہتا اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی اُس کے ایمان کو قبول نہیں کرتا۔ جس شخص کو یقین ہو کہ اُس نے اتنی مشق کرنی ہے کہ سنکھیا اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا وہ تولہ بھر سنکھیا بھی کھا جائے گا لیکن جسے یہ یقین نہ ہو وہ کبھی ایسی جرأت نہیں کرسکتا۔ پھر بعض لوگوں کو آگ پر چلنے کی ترکیب آتی ہے وہ اس سے نہیں ڈرتے لیکن کوئی دوسرا آگ کے نزدیک بھی نہیں جاسکتا اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کو اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ جانتا ہے وہ موت سے نہیں ڈرتا۔

ہندوؤں میں ایک لطیفہ مشہور ہے مگر ہم اس سے ایک سبق ضرور حاصل کرسکتے ہیں۔ کہتے ہیں کوئی راجہ تھا جس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی اُس نے علاج وغیرہ بہت کرائے مگر بے سود۔ ہندوؤں میں تین خدا سمجھے جاتے ہیں برہما، ویشنو اور شیو۔ برہما پیدائش کا خدا سمجھا جاتا ہے، ویشنو رزق کا اور شیو موت کا خدا۔ اس راجہ نے برہما کی نذر مانی کہ اگر میرے ہاں بیٹا ہو تو میں تیری عبادت کیا کروں گا۔ ہندو برہما کی عبادت نہیں کرتے کیونکہ سمجھتے ہیں کہ اس نے تو صرف پیدا ہی کرنا تھا سو کردیا اس سے اب کسی نفع نقصان کی کیا امید ہے۔ اب تو روزی دینے والے اور مارنے والے خدا کی عبادت ضروری ہے۔ گویا عبادت میں بھی وہ تجارتی اصول کو مدنظر رکھتے ہیں احسان کے ماتحت خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ تو اس راجہ نے برہما کی عبادت کرنے کا وعدہ کیا اور اس کے

ہاں لڑکا پیدا ہو گیا۔ جب وہ لڑکا جوان ہؤا تو باپ نے کہا کہ اب تک تو میں برہما کی عبادت کرتا رہا ہوں مگر موت چونکہ شیو جی کے ہاتھ ہے اس لئے ہمیں اب اس کی عبادت کرنی چاہئے ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے ماردے مگر بیٹا اس بات کا سخت مخالف تھا اور اسے احسان فراموشی قرار دیتا تھا۔ یہ اختلاف آپس میں اِس قدر بڑھا کہ باپ نے غصہ میں آکر شیو جی سے درخواست کی کہ اس کے بیٹے کو ماردے چنانچہ بیٹا مر گیا۔ برہما کو جب اِس کا علم ہؤا تو اس نے کہا کہ اچھا یہ ہماری عبادت کی وجہ سے مارا گیا ہے اُس نے پھر اُسے پیدا کر دیا۔ شیو جی نے پھر ماردیا اور برہما نے پھر پیدا کر دیا اور دونوں میں یہ لڑائی شروع ہو گئی۔ تو یہ یوں تو لطیفہ ہے مگر حقیقت سے خالی نہیں۔ دراصل شیو انسان خود ہوتا ہے اور برہما خدا ہوتا ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے آپ کو مارتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسے پھر پیدا کر دیتا ہے۔ دیکھو صحابہؓ نے کتنی دفعہ اپنے آپ کو مارا اور کتنی دفعہ خدا تعالیٰ نے اُن کو زندہ کیا۔ جب صحابہؓ بدر کے میدان میں لڑنے گئے تو کیا انہوں نے موت قبول نہ کی تھی؟ پھر کیا جنگ احد موت نہ تھی؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافق کہتے تھے یہ تو صریح موت ہے اگر ہمیں علم ہوتا کہ لڑائی ہے تو ہم ضرور شامل ہوتے۔ پھر کیا احزاب کی جنگ موت نہ تھی؟ منافق جیسے بُزدل اور موقع پر مسلمانوں کو طعنے دیتے پھرتے تھے کہ پاخانہ پھرنے کیلئے تو جگہ ملتی نہیں اور دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ پھر کیا غزوۂ تبوک موت نہ تھی؟ پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرب میں بغاوت ہو گئی تھی کیا اُس وقت صحابہؓ نے اپنے لئے موت قبول نہ کی تھی؟ پھر جب حضرت ابوبکرؓ نے قیصر سے مقابلہ شروع کیا تو کیا موت نہ تھی؟ عرب کی کُل آبادی اتنی بھی نہیں جتنی فلسطین کی مگر مسلمانوں نے مقابلہ ایسے بادشاہ سے شروع کیا جس کے ماتحت فلسطین تھا، شام تھا، بلغاریہ، مقدونیہ، مصر، طرابلس، آرمینیا، اسوریہ کے علاقے بھی تھے گویا اتنی بڑی حکومت سے ٹکر لگائی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران سے بھی جنگ شروع کر دی اور اُس وقت ایرانی حکومت کے ماتحت افغانستان، ہندوستان، چین، چینی ترکستان اور ایشیائی روس کے علاقے تھے گویا آدھی دنیا پر ایران کی حکومت تھی اور آدھی دنیا پر روم کی اور مسلمان بہ یک وقت ان دونوں حکومتوں سے لڑ رہے تھے پھر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ موت نہ تھی۔

پس غور کرو کہ صحابہؓ نے کتنی دفعہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالا گویا وہ شہد کی مکھیاں

تھیں اور موت ان کیلئے شہد تھا۔ لوگ موت سے بھاگتے پھرتے ہیں مگر صحابہؓ موت کے اوپر خود گرتے تھے اور خدا اُن کو پھر زندہ کر دیتا تھا۔ پس مؤمن کو امرِ الٰہی کے حصول کیلئے ہر وقت اور ہر قربانی کیلئے تیار رہنا چاہئے مگر قومی قربانی نظام کے ماتحت ہونی چاہئے۔ اگرچہ انفرادی قربانی انسان ہر وقت پیش کرسکتا ہے۔

پس میں جماعت کو اِس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ اس کا توکّل انسانوں پر نہیں بلکہ خدا پر ہونا چاہئے اور ترقی کی بنیاد اسے امرِ الٰہی پر رکھنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ [1] جب اللہ تعالیٰ کا امر حاصل ہو جائے جو قربانیوں سے ہی حاصل ہوتا ہے تو پھر ترقی کے رستہ میں کمیٔ تعداد روک نہیں بن سکتی اس لئے میں نے تحریک جدید میں ہر قسم کی قربانیاں رکھی ہیں مگر مجھے افسوس ہے کہ کئی لوگ کھانے پینے اور لباس کے معاملہ میں اس کی پوری پابندی نہیں کرتے۔ زیورات بنوانے کے معاملہ میں بعض عورتیں اس پر عمل کرنے میں کوتاہی کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے جماعت ابھی تک ان قربانیوں کو پیش نہیں کرسکی جن کی ضرورت ہے کیونکہ جب انسان کے پاس ہے ہی کچھ نہیں تو وہ قربانی کیا کرے گا۔ اگر تمہارے جسم کے اندر روح موجود ہے تو تم جان کی قربانی پیش کر سکتے ہو مگر جب روح ہی نہیں تو جان کی قربانی کے کیا معنی؟ اسی طرح جو شخص اقتصاد کی مدد سے کچھ رقم پس انداز نہیں کرتا وہ مالی قربانی کس طرح کر سکے گا اور جو شخص جلد جلد کام کرنے کا عادی نہیں وہ وقت کی قربانی کس طرح کرسکتا ہے۔ وقت کی قربانی وہی کرسکتا ہے جو جلد کام کرنے کا عادی ہو، جان کی قربانی وہی کرسکتا ہے جس کے پاس جان ہو اور مالی قربانی وہی کرسکتا ہے جس نے محنت سے کام کیا ہو اور پھر اقتصاد سے کچھ بچایا بھی ہو۔ پس جب تک تحریک جدید کے سارے حصوں پر عمل نہیں ہوتا اور ہر ایک مطالبہ کو مدنظر نہیں رکھا جاتا اُس وقت تک ہم ترقی کے میدان میں نہیں اُتر سکتے۔

یاد رکھو کہ منہ کی قربانی کسی کام کی نہیں۔ قربانی وہی ہے جو حقیقی معنوں میں ہو۔ منہ کی قربانی کی تو وہی مثال ہے کہ ''سَو گز واروں ایک گز نہ پھاڑوں'' اور اِس سے اسلام کو یا دین کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ (الفضل ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء)

---

[1] البقرة: ۲۵۰ [2] البقرة: ۲۵۶